میں کم عمر تھا اور سب کا خورد اس لیے ہر ایک محبت کرتا اور شفقت کی نظر رکھتا تھا حضرت شاہ صاحب کو توجہِ خاص تھی۔ میرے درس کے لیے جو کتابیں تجویز ہوتیں ان کا انتخاب حضرت ہی کرتے اور پھر باقاعدہ اس کی نگرانی فرماتے کہ درس کیسا ہو رہا ہے۔ ان کتابوں کی نشاندہی فرماتے جن کا مطالعہ مفید اور ضروری ہوتا اگر کہیں مجھے اشکال پیش آتا اور میں دریافت کرتا تو فوراً جواب نہ دیتے بلکہ فرماتے فلاں کتاب کے فلاں فلاں الواب پڑھ لو اور پھر میرے پاس آؤ۔ اس کی تاکید ہمیشہ فرماتے کہ ثانوی درجہ کی کتابوں کے بجائے امہاتِ کتب کا مطالعہ کروں، اس زمانہ میں دیوبند سے ایک ہفتہ وار اخبار "مہاجر" کے نام سے نکلتا تھا یہ اخبار ہماری جماعت کا ترجمان تھا اور میں اس کا مستقل مضمون نگار تھا۔ اس کی ہر اشاعت میں نام کے ساتھ یا بغیر نام کے میرا ایک آدھ مضمون ضرور ہوتا تھا۔ میرے یہ مضامین حضرت شاہ صاحب کی نظر سے گذرتے تھے، ان میں اگر کوئی اچھی بات ہوتی تو تحسین اور کوئی سقم ہوتا تو تنبیہہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ لاہور سے آنے کے بعد میں نے "مقبرۂ نور جہاں پر ایک لمحۂ اشک" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا جو خالص ادبی تھا اس میں میں نے پہلے اس کی تصویر کشی کی تھی کہ نور جہاں کون تھی اور کس صاحب اورنگ وحشم شہنشاہ کی چہیتی رفیقۂ حیات تھی اور اس کے بعد مقبرہ جس خراب و خستہ حالت اور عالم کس مپرسی میں پڑا تھا اس کی منظر نگاری کی تھی حضرت الاستاذ نے مہاجر میں یہ مضمون پڑھا تو آبدیدہ ہو گئے۔ فوراً مجھکو کمرہ سے بلا کر داد دی اور فرمانے لگے ماشاء اللہ قلم میں بڑی توانائی ہے۔

اب سنئے! اس زمانہ میں "پردہ" ملک میں شدید موضوعِ بحث بنا ہوا تھا۔ اس کے حامی اور مخالف دونوں کی طرف سے پے در پے مضامین نکل رہے تھے اور بحث بڑی سرگرمی سے جاری تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت الاستاذ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی ایک معرکۃ الآراء مقالہ لکھا تھا جو بعد میں رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا تھا۔ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس کو پڑھ کر

مولانا کو لکھا تھا کہ پردہ کے خلاف بعض ایسے مدلل مضامین شائع ہوئے ہیں کہ اگر آپ کا یہ مضمون میں نہ پڑھتا تو قریب تھا کہ میں اپنے گھر کی مستورات کو ترکِ پردہ کی ترغیب کر بیٹھتا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ کے مضمون سے اب پوری تشفی ہو گئی۔ بہرحال اس سلسلہ میں میں نے بھی ایک طویل مقالہ لکھنا شروع کیا جو "پردۂ نسواں قرآن و سنت کی روشنی میں" کے عنوان سے مہاجر کے اڈیٹوریل کی حیثیت سے مسلسل چھ قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ میرا پہلا تحقیقی مقالہ تھا اس میں میں نے مسئلہ کے ہر پہلو اور ہر جانب کی تحقیق و تنقیح کرتے ہوئے شروع کے تین نمبروں میں ستر پر گفتگو کی اور حنفی مذہب کے مطابق قرآن و سنت اور اقوال فقہاء سے یہ ثابت کیا کہ عورت کا چہرہ کلائی تک دونوں ہاتھ اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں ستر میں ہرگز داخل نہیں ہیں اور جو مذاہب اس کے خلاف ہیں ان کی تردید کی تھی۔

لیکن ابھی مضمون کی تین قسطیں ہی چھپی تھیں کہ ایک حلقہ میں ہلچل مچ گئی چنانچہ راندیر ضلع سورت کے علماء کا ایک وفد ڈابھیل آیا اور حضرت شاہ صاحب سے میرے مضمون کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا! ذرا مضمون سنائیے، جب مضمون پڑھا جا چکا تو پوچھا! اس میں کون سی بات غلط ہے؟ کوئی حوالہ درست نہیں ہے یا کسی عبارت کا ترجمہ صحیح نہیں ہے یا جو کچھ لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ کا مذہب نہیں ہے؟ وفد نے جواب دیا: جی نہیں! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے لیکن مقالہ نگار نے چہرہ کے ستر نہ ہونے کو اس زور اور قوت سے لکھا ہے کہ اس سے بے پردگی کی ترغیب ہوتی ہے اور اندیشہ ہے کہ پردہ کے مخالف لوگوں کو اس سے تقویت ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: جب مضمون ابھی ختم ہی نہیں ہوا تو آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ آپ کو مقالہ کے ختم ہونے کا انتظار تو کرنا چاہیئے تھا۔ اس پر گفتگو ختم ہو گئی اور یہ حضرات عصر کے بعد واپس ہو گئے۔ مجھے اس واقعہ کا کوئی علم نہ تھا مغرب کے بعد حسب معمول خدمت میں حاضر ہوا۔ تو حضرت شاہ صاحب نے پورا واقعہ سنایا اور دریافت فرمایا کہ

اب آئندہ کیا لکھو گے؟ میں نے عرض کیا چوتھی قسط میں میں اس پر بحث کروں گا کہ چہرہ اگرچہ ستر میں داخل نہیں ہے لیکن یہ بھی تو مستلزم نہیں کہ کشف وجہ مطلقاً جائز ہو کیونکہ یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے موقع محل کے اعتبار سے اس کے احکام تبدل پذیر ہیں حضرت نے تصویب کی اس کے بعد میں نے دو تین امور کے متعلق استفسار کیا جواب میں آپ نے وہی فرمایا جو میری رائے تھی لیکن ان میں سے ایک امر کے متعلق ارشاد ہوا کہ بات تو وہی ہے جو تم کہتے ہو لیکن اس کو لکھ نہ دینا اس سے فتنہ پیدا ہوگا میں نے حکم کی تعمیل کی اور مقالہ کی باقی تین قسطوں میں اس سے تعرض نہیں کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب معاملہ اس درجہ صاف اور واضح تھا اور مقالہ کو اجلہ علماء کی تائید حاصل تھی تو ایک طبقہ میں ہل چل کیوں مچی اور علماء کے ایک طبقہ کو شکایت کیوں پیدا ہوئی؟ اصل بات یہ ہے کہ ایک انسان کسی خاص سماج یا ماحول میں عرصہ دراز تک رہنے سہنے کے باعث چند عادات و خصائل اور رسوم و عوائد کا نسلاً بعد نسلٍ اس درجہ خوگر اور گرویدہ ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے لئے مذہبی احکام کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ وابستگی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ مذہب کی حقیقی تعلیمات اس شخص کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور طرح طرح کی تاویلات ان میں کرنے لگتا ہے۔ اس کی ایک دلچسپ مثال لیجئے: حج کے سلسلہ میں شریعت کا صاف حکم ہے کہ عورت کا احرام ہی چہرہ کھلا رکھنا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے حجاز میں دیکھا ہے کہ بعض خواتین برقع کی ٹوپی میں ایک چھجا لگا لیتی اور اس سے نقاب لٹکا لیتی ہیں تاکہ چہرہ کھلا بھی رہے اور کوئی اسے دیکھ بھی نہ پائے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کی رسم پرستی دینداری ہرگز نہیں ہے بلکہ سرتاسر اتباع ہوا اور اعجاب کل ذی رای برایہٖ ہے جس پر شدید وعید خداوندی ہے۔